Fikr-o-Nasar (Islamabad) 5:10 (1968) © rasailojaraid.com

پاکستان میں اسلام[1]

محمد سرور

اسلامی علوم کے قدیم مراکز

شاہانِ مغلیہ سے پہلے اور ان کے عہد حکومت میں اُن علاقوں میں، جن سے آج مغربی پاکستان عبارت ہے، ملتان، ٹھٹھہ، لاہور اور سیالکوٹ وغیرہ بڑے عظیم علمی مراکز تھے، جہاں دور و نزدیک سے لوگ تحصیلِ علم کے لئے آتے اور ان شہروں کے علماء وفضلاء اور ان کی درس گاہوں سے فیض حاصل کرتے جب مغل سلطنت کا زوال شروع ہوا تو ایک طرف بیرونی حملوں اور دوسری طرف اندرونی خلفشار سے اس پورے خطے میں بڑی افراتفری پھیل گئی۔ اس سیاسی ہل چل اور معاشرتی اضطراب کا علمی زندگی پر بھی اثر پڑا۔ وہ درس گاہیں ختم ہوگئیں جن سے فیضِ علمی جاری تھا۔ وہ علماء وفضلاء نہ رہے جن سے درس وتدریس کی مجالس قائم تھیں۔ برطانوی عہد کے پورے سو سال میں بھی اُن علاقوں میں دینی تعلیم کی وہ روایات جو کبھی ملتان، ٹھٹھہ، لاہور اور سیالکوٹ سے وابستہ تھیں، زندہ نہ ہوسکیں اور یہاں کوئی بڑی دینی درسگاہ اور دار العلوم وجود میں نہ آسکا جس کا شمار برعظیم پاک وہند کے قابلِ ذکر دینی مراکز میں ہوتا۔

دینی تعلیم کا احیا اور درس گاہوں کا قیام

۱۸۵۷ء کی ہمہ گیر تباہی وبربادی کے بعد دینی تعلیم کا جو نئے سرے سے احیا ہوا تو اس کے سارے مراکز ان علاقوں ہی میں بنے جو آج ہندوستان میں ہیں۔ سب سے پہلے دار العلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا۔ اسی کے نمونے پر سہارن پور میں مظاہر العلوم کی بنیاد رکھی گئی۔ پھر ندوۃ العلماء کی تحریک چلی جس کے نتیجے میں لکھنؤ میں دار العلوم قائم ہوا۔ دیوبند کی طرز پر، لیکن اس سے بہت کم درجے کے برعظیم پاک وہند میں ہزاروں دینی مدارس وجود میں آئے۔ لیکن ان سب کا مرجع اور قبلۂ مقصود دیوبند ہی رہا۔ دیوبند کا نصاب، اس کے شیوخ اور اس کی روایات ان سب مدارس کے لئے ایک مثالی حیثیت رکھتے

---

[1] (بہ شکریہ المعارف۔ لاہور)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے اور یہ اس لئے کہ ان مدارس کے بانی اکثر و بیشتر دارالعلوم دیوبند ہی کے فارغ التحصیل ہوتے تھے۔

اسلامی لٹریچر کی نشر و اشاعت

دینی دارالعلوموں اور درس گاہوں کے علاوہ جب دینی و اسلامی لٹریچر کی نشر و اشاعت ہوئی تو اس کے مراکز بھی دہلی، دیوبند، لکھنؤ اور اعظم گڑھ وغیرہ تھے۔ بے شک لاہور کو بھی ان مراکز نشر و اشاعت میں شامل کیا جا سکتا ہے، لیکن اس معاملے میں بہ حیثیت مجموعی اس کا دائرہ کار کچھ محدود ہی رہا۔
پُرانی ضرورتوں کو پورا کرنے والا دینی لٹریچر زیادہ تر دیوبند اور دہلی سے شائع ہوا کیا، اور سیرتِ نبویؐ، خلفا، صحابہ، تابعین وغیرہ کے حالات اور عام تاریخِ اسلامی پر اس مدت میں دارالمصنفین اعظم گڑھ نے جو لٹریچر شائع کیا، پشاور سے لے کر مدراس تک شاید ہی کوئی تعلیم یافتہ مسلم گھرانا ایسا ہوگا جہاں یہ نہ پہنچا ہو ——— کچھ عرصہ بعد دارالعلوم دیوبند کے بعض فارغ التحصیل حضرات نے دہلی میں ندوۃ المصنفین قائم کیا، اور وہاں سے بھی دینی و اسلامی کتابیں شائع ہوئیں۔

مختصراً برعظیم کی آزادی کے بعد جب پاکستان کی اپنی ایک مستقل مملکت وجود میں آئی تو جہاں تک دینی تعلیم کی درس گاہوں اور دارالعلوموں اور دینی و اسلامی لٹریچر کی اشاعت کا تعلق ہے، گو ہم ان میں بالکل کورے تو نہیں تھے، لیکن مقابلتاً ہندوستان کے مسلمانوں سے بہت پیچھے تھے۔ اس خطے میں کوئی بڑا دینی دارالعلوم نہ تھا۔ اسی طرح ہندوستان کے تصنیفی و اشاعتی اداروں کے برابر نہ سہی، ان سے کچھ کم درجے کا بھی یہاں کوئی ادارہ کام نہیں کر رہا تھا۔

نئی دینی درس گاہیں

پاکستان کا قیام جمہور مسلمانوں کے مذہبی و سیاسی شعور کا عملی اظہار تھا۔ چناں چہ تقسیم برعظیم کے وقت پاکستان پر یک بارگی جو مصائب ٹوٹ پڑے تھے، یہ مسلمان عوام کا مذہبی جذبہ ہی تھا جو اس وقت نومولود مملکت کا سہارا بنا اور اس کی وجہ سے پاکستان جان لیوا خطرات سے عہدہ برآ ہو سکا۔ مسلمان ناامید نہ ہوئے اور کمر ہمّت باندھ کر مصائب کا مقابلہ کر سکے۔

یہ زمانہ بڑا نازک تھا۔ انتقالِ آبادی کی وجہ سے نظم و نسق ابھی ٹھیک نہیں ہو پایا تھا۔ اس پر لُٹے پِٹے مہاجروں کی ہزارہا کی تعداد میں آمد شروع ہو گئی۔ بہرحال سب کی کوششوں اور تعاون سے یہ خطرناک دَور گزر گیا۔ لیکن واقعہ یہ ہے اس میں سب سے نمایاں کردار عوام کے مذہبی جذبہ کا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس صورتِ حال میں یہ ضروری تھا کہ جمہور مسلمانوں کے مذہبی جذبہ کی تسکین اور اس کی صحت مند نشو و نما کے لئے اس مملکت میں سازگار حالات پیدا کئے جاتے۔ ہندوستان کو چھوڑ کر آنے والوں میں سے ایک خاصی تعداد علمائے کرام اور دینی مدارس کے اساتذہ کی بھی تھی۔ ان حضرات نے جہاں بھی حالات سازگار پائے، دینی مدرسے قائم کر کے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا تقسیم سے قبل سابق صوبہ سرحد سے طالب علموں کی ایک بہت بڑی تعداد دارالعلوم دیوبند جایا کرتی تھی۔ ظاہر ہے ۱۹۴۷ء کے بعد یہ ممکن نہیں رہا تھا۔ دارالعلوم دیوبند ہی کے ایک عالم اور مدرس نے ضلع پشاور میں اکوڑہ کے مقام پر دارالعلوم حقانیہ کی بنیاد رکھی جو اس وقت اُس نواح کی سب سے بڑی دینی درس گاہ ہے اور کثیر التعداد طلبہ وہاں زیرِ تعلیم ہیں۔ اسے اگر صوبہ سرحد کا دارالعلوم دیوبند کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ خاص لاہور میں جامعہ اشرفیہ قائم کی گئی۔ اسی طرح ملتان میں ایک سے زیادہ دارالعلوم وجود میں آ گئے۔ کراچی میں اس وقت کئی دارالعلوم ہیں جہاں دیوبندی فضلا تعلیم دیتے ہیں۔ سندھ کے کئی شہروں میں دینی دارالعلوم کھُل گئے ہیں۔

غرض جہاں تک دینی تعلیم کا تعلق ہے، ان بیس سالوں میں ملک میں نجی طور پر اتنے دینی مدرسے، درس گاہیں اور دارالعلوم قائم ہو چکے ہیں کہ ۱۹۴۷ء میں اس سلسلے میں جو سخت کمی محسوس ہوتی تھی وہ بالکل نہیں رہی، اور اس اعتبار سے پاکستان خود اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا ہے۔ ان دارالعلوموں میں سے بہت سوں کی اپنی شاندار عمارتیں ہیں اور ان کی مالی حالت بہت اچھی ہے۔

مغربی پاکستان کے اکثر شہروں میں غیر مسلم آبادی کافی تعداد میں تھی۔ ان کے جانے کے بعد ان کی جگہ جو مسلمان آباد ہوئے تو ان کے لئے مسجدیں نہیں تھیں جہاں وہ نمازیں ادا کر سکتے۔ اس عرصے میں بہت سے شہروں میں نئی مسجدیں بن گئی ہیں جو بڑی کشادہ، عالی شان اور خوب صورت ہیں۔ ان مسجدوں میں بالعموم درسِ قرآن ہوتا ہے اور وہ اپنے اپنے علاقے کی دینی سرگرمیوں کا مرکز ہیں۔

یہ سب کچھ عام مسلمانوں کی مالی مدد اور علماء کی کوششوں سے ہوا اور یہ ایک طرح سے عوام کی مذہبی زندگی کا مظہر ہے۔

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ

اس دَوران میں متعدد ایسے ادارے بھی وجود میں آئے جنھیں حکومت کی طرف سے امداد ملتی تھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور انہوں نے دینی زندگی کے علمی اور ثقافتی پہلوؤں کو ترقی دینے کی کوشش کی۔ ان اداروں میں سے سب سے پہلا ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ ہے۔ اس کی بنیاد ۱۹۵۰ء میں رکھی گئی۔ قیامِ پاکستان کے بعد جتنے بھی دینی مدارس اور دار العلوم کھولے گئے ان میں تمام تر پرانی طرز کی دینی تعلیم ہوتی ہے اور ان کا نصابِ تعلیم بھی وہی پرانا ہے۔ ان درس گاہوں نے اپنے ہاں نئے علوم داخل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اب اگر ہم اسی پر اکتفا کر لیتے اور دینی ذہن صرف قدیم تک محدود ہو کر رہ جاتا تو یہ پاکستان میں اسلام کے مستقبل کو تاریک اور اس کی آئندہ ترقی کی راہ کو مسدود کرنے کا باعث ہوتا۔ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ اور اس جیسے دوسرے اداروں نے اس عرصے میں یہ ایک بہت بڑی خدمت کی ہے کہ انہوں نے اسلامی ذہن کو جامد نہیں ہونے دیا اور مسلمانوں کے سامنے نئے دینی افکار پیش کر کے انہیں سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ قدیم طبقہ کو یہ کچھ برا تو لگا لیکن خود اس کی بقا اور اصلاح کے لئے یہ ضروری تھا۔

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ نے ان برسوں میں اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں کافی کتابیں شائع کی ہیں۔ آج کی زندگی کا شاید ہی کوئی اہم موضوع ہو جس پر ان میں بحث نہ کی گئی ہو اور اسلام کے نقطۂ نظر سے اس کے حسن و قبح کو سامنے نہ لایا گیا ہو۔ قدیم کو نئے رنگ میں پیش کیا گیا ہے اور جدید کا قدیم روایات کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے۔ بے شک اس ادارہ کی طرف سے شائع کردہ بعض کتابوں پر اعتراضات ہوئے اور قدیم مسلک کے بعض علماء نے اس کی تجدیدی سرگرمیوں کو ناپسند کیا، لیکن اس سے اتنا تو ہوا کہ ان حضرات کو اس امر کا احساس ہوا کہ ملک و قوم کو یہ مسئلے بھی درپیش ہیں اور ان پر انہیں غور کرنا ہوگا۔

ہمارے ہاں فکر کی کشتیٔ نازک کو رواں کرنے میں ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کا بڑا حصہ ہے کیوں کہ وہ اس میں پیش رو ہے اس لئے وہ سب سے بڑھ کر تعریف کا مستحق ہے۔

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کا بنیادی مقصد ہی یہ ہے کہ وہ اسلام کے حقائق کو جدید ذہن کے سامنے پیش کرے اور مسلمان نوجوانوں کو اسلام کی عقلی، ثقافتی اور روحانی روایات سے متعارف کرائے۔ ادارہ نے اس دوران میں یہ کوشش کی ہے کہ آج سائنسی اور مذہبی نقطۂ ہائے نظر میں جو نزاع چل رہا ہے، اسے حل کرے۔ اس کے پیشِ نظر یہ ہے کہ وہ اسلام کا ترقی پسند، عقلیت پر مبنی اور حقیقت پسندانہ تصور سامنے لائے اور اس وقت جو مسائل ہمیں درپیش ہیں ان کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر بتائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قدیم طرز کے مکاتب خیال اور دینی درس گاہوں کے پہلو بہ پہلو اس قسم کے اداروں کی ضرورت خاص کر پاکستان جیسے ملک میں تھی۔ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ نے بہت حد تک اس ضرورت کو پورا کیا ہے۔

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی

اسی ضرورت کے پیشِ نظر ۱۹۶۰ء میں ایک اور ادارہ، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے نام سے قائم کیا گیا۔ اس کا قیام دستور پاکستان کی ایک دفعہ کے تحت عمل میں آیا جس میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ "صدر مملکت اسلامی تحقیقات اور اعلیٰ سطح پر اسلام کے مطالعہ تعلیم کی غرض سے ایک ادارہ قائم کرے گا تاکہ وہ خالص اسلامی بنیادوں پر مسلم معاشرہ کی تشکیل میں مدد دے سکے۔" ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے سرپرست خود صدر مملکت ہیں۔

اس ادارہ کے یہ مقاصد متعین کئے گئے ہیں:

۱: اسلام کی بنیادی تعلیمات کو عقلی اور آزادانہ فکری پیرائے میں پیش کرنا اور من جملہ اور چیزوں کے اسلام نے انسانی اخوت، رواداری اور معاشرتی انصاف کے جو بنیادی اصول بتائے ہیں ان پر خاص کر زور دینا۔

۲: اسلام کی تعلیمات کی ایسی تعبیر کرنا کہ جدید زمانے کی عقلی اور سائنسی ترقی کے پسِ منظر میں اسلام کا تخلیقی اور فعال کردار واضح ہو سکے۔

۳: انسانی فکر، سائنس اور ثقافت کی ترقی میں اسلام نے جو کچھ کیا ہے اس کی اس طرح تحقیق کرنا کہ مسلمان ان علوم و فنون میں آج ممتاز جگہ لے سکیں۔

۴: اسلامی تاریخ، فلسفہ، قانون اور فقہ اور اصولِ فقہ میں خصوصی تحقیقات کا انتظام کرنا۔

پاکستان کے دستور میں ایک دفعہ یہ ہے کہ ملک میں کوئی قانون کتاب و سنت کے خلاف نہیں بنے گا اور جو قوانین پہلے سے چلے آتے ہیں انہیں کتاب و سنت کے مطابق بنایا جائے گا۔ ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کا ایک کام یہ ہے کہ وہ اس سلسلے میں حکومت کی مدد کرے۔ چناں چہ اس کا ایک قانونی شعبہ ہے جو ہر مسئلے پر جو ادارہ کو بھیجا جاتا ہے، فقہ اسلامی کا نقطۂ نظر فراہم کرتا ہے۔ اس شعبے کے ارکان جدید قانون پر بھی نظر رکھتے ہیں اور فقہ اسلامی پر بھی انہیں عبور حاصل ہے

ادارہ کا ایک اہم مقصد اسلامی علوم و فنون پر تحقیقات کرنا ہے۔ ابھی حال ہی میں ادارہ کے ایک رکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے "صدر اسلام میں اصول فقہ کا ارتقا" پر تحقیقی مقالہ لکھا ہے جسے کراچی یونیورسٹی نے منظور کیا اور اس پر صاحب موصوف کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی گئی۔ اب وہ رکن "اجماع" پر کام کر رہے ہیں۔ ادارہ کی طرف سے ایک کتاب "مجموعہ قوانین اسلامی" شائع ہوئی ہے جس میں نکاح، طلاق اور اس طرح کے مسائل پر مختلف مذاہبِ فقہ کی آراء کو مدون کیا گیا ہے۔

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی اس امر میں کوشاں ہے کہ فقہ، کلام اور غور و فکر کے طریقوں میں پچھلی پانچ چھ صدیوں میں جو تنگی اور جمود پیدا ہو گیا ہے اس میں وسعت اور آزادیٔ خیال آئے، اور ہم اسلام کے اس دور سے ھدایت اور روشنی حاصل کریں جب مسلمان تمام علوم و فنون میں سب سے آگے تھے اور انھوں نے فکر و عمل اور ثقافت میں پوری دنیا کی رہنمائی کی تھی۔

محکمۂ اوقاف

ان بیس سالوں میں دینی و اسلامی محاذ پر سب سے بڑا کام جو ہوا وہ مغربی پاکستان میں محکمۂ اوقاف کا قیام ہے۔ ۲۳-۱۹۲۲ء کے بعد جب پنجاب میں سکھوں نے گوردواروں کو مہنتوں کے ذاتی قبضے سے نکال کر اپنی ایک نمائندہ جماعت کے سپرد کر دیا اس وقت سے مسلمان بھی یہ سوچ رہے تھے کہ ان کے اوقاف کا بھی ایسا انتظام ہو جائے اور ان کی آمدنیاں متولیوں کی جیبوں میں جانے کے بجائے ملی مصالح پر صرف ہوں۔ مسلمانوں کی یہ دیرینہ آرزو ۱۹۶۰ء میں جا کر پوری ہوئی۔ ایک قانون کے ذریعہ وہ تمام اوقاف جو مساجد، مزارات اور درگاہوں سے متعلق تھے، ان کو محکمۂ اوقاف کے تحت کر دیا گیا۔ اب محکمہ ہی ان کا انتظام کرتا اور ان کی آمدنیوں کو صرف کرتا ہے۔

اس مدت میں محکمہ اوقاف نے ایک تو یہ کیا کہ مزارات کے نظم و نسق میں کافی اصلاحات کر دی ہیں اور بعض مزاروں پر عرس کے موقع پر جو عام مخرب اخلاق حرکات ہوتی تھیں ان کا قلع قمع کر دیا ہے۔ اب ان مزارات کی آمدنی مفید کاموں پر صرف ہوتی ہے جس کی سب سے عمدہ مثال داتا گنج بخش کے مزار کی ہے۔

جامعہ اسلامیہ

ایک اور اہم مسئلہ جس سے ہماری پوری دینی زندگی کی فلاح و بہبود اور اس کی ترقی وابستہ ہے مساجد کے ائمہ و خطباء کا ہے۔ اس سلسلے میں پہلے تو محکمۂ اوقاف نے کوئٹہ میں ایک اکیڈمی قائم کی جو ائمہ اور خطباء کو ضروری تربیت دیتی تھی۔ اب بہاول پور میں جامعہ اسلامیہ اور اس کے ساتھ ہی ائمہ و خطباء کے لئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تربیت گاہ ہے۔ جامعہ اسلامیہ کا قیام دینی تعلیم کو نئے قالب پر ڈھالنے اور اسے قدیم علوم کے ساتھ ساتھ جدید علوم کو جمع کرنے کی ایک مستحسن کوشش ہے۔ یہ جامعہ ابھی ابتدائی منازل میں ہے۔ جیسے جیسے عام دینی فکر میں آزادی اور کشادگی پیدا ہوگی اور مذہبی زندگی پر ایک خاص طبقہ، علما کا اس وقت جو تسلط ہے وہ کمزور ہوگا، اس جامعہ کی افادیت اور اہمیت کا احساس بڑھے گا۔

شاہ ولی اللہ اکیڈمی

سندھ کے ضلع ٹھٹہ میں ایک بزرگ اپنی زرعی اراضی اس مقصد کے لئے وقف کر گئے تھے کہ اس کی آمدنی سے حضرت شاہ ولی اللہ کی تعلیمات کی نشر و اشاعت کی جائے۔ محکمۂ اوقاف نے اس مقصد کی تکمیل کے لئے ۱۹۶۳ء میں حیدر آباد میں شاہ ولی اللہ اکیڈمی قائم کی۔ یوں تو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے نام نامی اور ان کی تصنیفات و تعلیمات کا پہلے ہی سے چرچا تھا اور نہ صرف برعظیم بلکہ باہر کی اسلامی دنیا بھی ان کے افکار کی قدر کرتی تھی، لیکن شاہ ولی اللہ اکیڈمی کے قیام سے فائدہ یہ ہوا کہ فکرِ ولی اللہی کو ایک تحریک کی صورت میں فروغ پانے کے لئے مواقع میسر آگئے۔ اس اکیڈمی نے ایک ماہنامہ جاری کیا جو حضرت شاہ صاحب اور ان کے خانوادۂ علمی کے افکار اور تعلیمات کی اشاعت کے لئے وقف ہے۔ اسی ماہنامہ کی بدولت شاہ صاحب اور ان کے توسط سے محکمۂ اوقاف کی اس دینی خدمت کا ذکر برعظیم کے ہر اسلامی ادارہ تک پہنچا ہے جہاں کہ یہ رسالہ جاتا ہے۔

مسلمانوں کو نئے سرے سے حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے فکر دینی کی طرف متوجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ فکر تمام ماضی کا جامع ہے۔ اس میں بڑی وسعت ہے۔ وہ سب مذاہب فقہ و کلام و تصوف کو ملاتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس میں نئی ترقیوں کو اپنانے اور انھیں اپنے اندر سمونے کی غیر معمولی صلاحیت ہے۔ وہ مسلمانوں کے تمام فرقوں کو ایک نقطۂ اشتراک پر لا سکتا ہے اور جدید سائنس و فلسفہ کے وہ افکار جن کا آج دور دورہ ہے، شاہ صاحب کی اسلام کی تعبیر میں ان کے لئے بھی وسعت ہے۔ اس بنا پر شاہ ولی اللہ اکیڈمی قائم کرکے محکمۂ اوقاف نے ایک بڑی خدمت کی ہے۔

تصوف کی بعض بنیادی اور بڑی اہم کتابیں نایاب تھیں محکمۂ اوقاف نے ان کی اشاعت کا بھی انتظام کیا۔ ان میں سے بعض کتابیں چھپ گئی ہیں اور بعض زیر طباعت ہیں۔

اسلامیات کی تعلیم | قیام پاکستان کے بعد اسکولوں، کالجوں اور یونی ورسٹیوں میں اسلامیات کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعلیم کا باقاعدہ انتظام کیا گیا ہے اور تمام یونی ورسٹیوں میں مستقل شعبہ ہائے اسلامیات قائم ہیں۔ ان میں بی۔ اے کے بعد داخلہ ہوتا ہے اور فارغ التحصیل طلبہ کو ایم۔ اے کی ڈگری ملتی ہے ــــ یہی فارغ التحصیل اسکولوں اور کالجوں میں اسلامیات کی تعلیم دیتے ہیں۔

امید ہے اس طرح قدیم اور جدید کے درمیان جو خلیج حائل ہے ــــ اور وہ یہ ہے کہ قدیم تعلیم پائے ہوئے جدید علوم اور جدید زمانے کی ضرورتوں اور تقاضوں سے بے خبر ہیں اور جدید تعلیم پائے ہوئے قدیم کو نہیں جانتے ــــ بہ تدریج پُر ہوتی جائے گی، اور وہ وقت آجائے گا کہ پاکستانی مسلمان کی شخصیت صحیح معنوں میں قدیم اور جدید کی جامع ہوگی، اور اس وقت علماء اور جدید تعلیم یافتہ طبقے میں جو بُعد ہے وہ ختم ہو جائے گا۔

قدیم اور جدید میں ہم آہنگی کی ضرورت

قدیم طرز پر دینی تعلیم دینے والے دار العلوم اور مدارس اگر اپنی اسی روش پر مُصر رہے کہ ان کے نصاب ہائے تعلیم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی اور وہ اپنی حدود میں کوئی جدید علم، کوئی جدید فکر اور کوئی جدید اسلوبِ زندگی گھسنے نہیں دیں گے تو یہ ان کے حق میں اچھا نہیں ہوگا، اور آہستہ آہستہ ان کا وجود بے کار محض ہو جائے گا۔ فطرت کا یہ اصول ہے کہ جو چیز بے کار ہو جائے وہ ختم ہو جاتی ہے۔ اگر قدیم طرز کی ان درس گاہوں نے اپنے آپ کو نئے حالات کے مطابق نہ ڈھالا اور نئے علوم کے لئے اپنے دروازے نہ کھولے تو ان کا زیادہ دیر باقی رہنا مشکل ہے۔

سوال یہ ہے کہ جب جدید اسکولوں، کالجوں اور یونی ورسٹیوں میں اسلامیات کی تعلیم ضروری قرار دی گئی ہے اور طالب علم اسلامیات میں ایم۔ اے کر سکتے ہیں تو قدیم طرز کی دینی درس گاہیں کیوں اپنے ہاں ایسے جدید علوم نہ پڑھائیں جو آج ضروری ہو گئے ہیں اور جن کے بغیر نہ اس زمانے کو اور اس کی ضرورتوں کو سمجھا جا سکتا ہے اور نہ آدمی خود اپنے لئے اور قوم و ملک کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔

پوری دنیائے اسلام میں دُور رس تبدیلیاں آچکی ہیں۔ افغانستان اور یمن جیسے ملک جنہیں نئے زمانے کی ہوا تک نہیں لگی تھی بدل رہے ہیں۔ ان حالات میں ہمارے ہاں قدیم اور جدید گروہوں کا برسرِ پیکار ہونا انتہائی افسوس ناک ہے۔ آج مسلمانوں کو فکری، سماجی، اقتصادی اور سیاسی ان سب محاذوں پر بڑے سنگین چیلنجوں کا مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے اور ان سے وہ صرف اسی طرح عہدہ برآ ہو سکتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں کہ وہ اپنے ماضی اور حال کو ہم آہنگ کریں اور بہتر مستقبل کی راہ نکالیں۔

پاکستان کے مسلمان قدیم اور جدید کی اس خلیج کو جتنی جلد بھریں ان کے لئے اچھا ہے۔

ہندوستان کے ایک مصنف جو جمعیۃ العلمائے ہند کے انگریزی رسالہ کے ایڈیٹر رہے، اور اب وہ ایک قوم پرست مسلمان ادارے میں کالج کے پرنسپل ہیں، اپنی ایک کتاب میں جو موصوف نے میک گل یونیورسٹی (کینیڈا) میں تحریر کی، لکھتے ہیں:۔

"اگر پاکستان آگے چل کر اسلام کی ایک ایسی نئی تعبیر پیش کرنے میں کامیاب ہوتا ہے جو ایک طرف اسلام کی صدیوں پرانی تاریخی روایات کے تمام بہترین اور صحت مند ترین عناصر کی حامل ہو اور دوسرے طرف وہ ان چیلنجوں کا، جو آج کے زمانے کے ہیں، عقلی لحاظ سے مناسب جوابات فراہم کرے، تو اس صورت میں پاکستان کے قیام اور اس کے نتیجے میں مسلمانانِ ہند کو جن مصائب سے گزرنا پڑا، اس کا معقول جواز نکل سکتا ہے۔"

اسی ضمن میں مصنف نے یہ بھی لکھا ہے:۔

"یقینی طور سے پاکستان کے صرف اسی نہج پر ارتقاء ہی میں بہ حیثیت ایک مسلم سلطنت کے اس کی طاقت وشوکت کا انحصار ہے۔ اقبالؔ کے خواب بھی اسی طرح عملی جامہ پہن سکتے ہیں اور نئے ہندوستان کے مسلمان شہریوں کے لئے بھی یہی چیز وجہ سکون ہو سکتی ہے۔ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کا جواز اس میں ہے کہ وہاں متوازن اور ہم آہنگ جدید اسلام پھلے پھولے جو ایک طرف اپنے شاندار ماضی کے لئے باعثِ فخر ہو اور دوسری طرف بیسویں صدی کے چیلنجوں کے مقابلے کی صلاحیت رکھتا ہو۔"

ایک متوازن، ہم آہنگ، ترقی کن اور تخلیقی صلاحیتوں کا حامل جدید اسلام پاکستان میں صرف اسی طرح بروئے کار آ سکتا ہے، اگر قدیم اور جدید کی مخاصمت ختم ہو جائے اور دونوں مل کر ملت کے کارواں کو آگے بڑھائیں۔

© rasailojaraid.com